حدیث - ۹

اصرار کے ساتھ سوال کا معاشرے پر اثر

عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ عن النبی ﷺ قال : دعونی ما ترکتم، انما ھلك من کان قبلکم بسوالھم و اختلافھم علی انبیائھم ، فاذا نھیتکم عن شئ فاجتنبوہ، و اذا امرتکم بامر فاتوا منہ ما استطعتم

(فتح الباری ۱۳/۲۶۶۔ صحیح مسلم شرح نووی)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''جتنا تم سے کہہ دوں اسی پر عمل کرو، خاموش رہو، تم سے پہلی قومیں اپنے (بے جا) سوالوں اور اپنے نبیوں سے اختلاف ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئی ہیں۔ لہٰذا جب میں تم کو کسی چیز سے روک دوں تو اس سے بچو اور پرہیز کرو اور جب کسی چیز کا حکم دوں تو اپنی قوت و استطاعت بھر اس پر عمل کرو۔''

محمد بن زیاد حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اس حدیث کو آپ ﷺ نے اس مناسبت سے ارشاد فرمایا کہ ایک دن آپ نے ہم لوگوں کے سامنے تقریر فرمائی۔ تقریر میں آپ نے فرمایا: ''لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض فرمایا ہے، لہٰذا حج کرو۔ ایک شخص (اقرع بن حابس جو مولفۃ القلوب میں سے تھے) نے کہا! اللہ کے رسول کیا ہر سال؟ اس شخص کے سوال پر آپؐ خاموش رہے، یہاں تک کہ اس نے تین مرتبہ دہرایا۔ تب اس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو (ہر سال) حج واجب ہو جاتا اور تم ایسا کر نہ پاتے، پھر آپ نے فرمایا: جتنا کہہ کر تم کو چھوڑ دوں (خاموش ہو جاؤں) اتنے ہی پر ہم کو چھوڑ دو (خاموش رہو) تم سے پہلے کے لوگ اپنے سوالوں اور اپنے نبیوں سے اختلاف ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئے ہیں، جب میں تم کو کسی بات کا حکم کروں تو اس کو حتی المقدور کرو اور جب کسی بات سے تم کو منع کروں تو اس کو چھوڑ

دو!''۔(صحیح مسلم)

حدیث مذکور میں تربیتی پہلو سے کئی باتیں قابل غور ہیں، اس آدمی نے سوال کیا ''یا رسول اللہ کیا ہر سال'' اور حضور ﷺ جواب دینے کے بجائے خاموش رہتے ہیں لیکن سائل برابر اپنا سوال دہرائے جاتا ہے۔ حتیٰ کہ تین مرتبہ سوال کیا، سوال کا بار بار کرنا یہ بتاتا ہے کہ امت کو زندگی کے مختلف گوشوں میں مزید تعلیم وہدایت کی ضرورت ہے اور یہ کہ آپ نے جس بات کو نہیں بتایا اس کے سلسلے میں آپ کے ادب واحترام میں سوال نہ کرنا واجب ہے اور ایسی بات میں سوال کہ اگر آپ سائل کو اس کے سوال پر جواب دیتے تو اس سے سائل کو تکلیف ہوتی اور وہ مشکل میں پڑ جاتا اور ایسی بات کا مکلف کر دیا جاتا جس کو وہ کر نہ سکتا یا جن باتوں میں اللہ تعالیٰ نے توسع و گنجائش رکھی ہے ان میں وہ تنگی میں پڑ جاتا یا اس کو چھوڑ بیٹھتا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر لطف وکرم کے سبب اس کی تحدید نہیں فرمائی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَإِنْ تَسْئَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ (المائدۃ:۱۰۱)

''مومنو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوال مت کرو کہ اگر (ان کی حقیقتیں) تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمھیں بری لگیں اور اگر قرآن کے نازل ہونے کے ایام میں ایسی باتیں پوچھو گے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی (اب تو) خدا نے ایسی باتوں (کے پوچھنے) سے درگذر فرمایا ہے اور خدا بخشنے والا بردبار ہے۔''

ابن کثیر کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں اپنے مومن بندوں کو ادب سکھایا ہے اور ایسی چیزوں کے بارے میں سوال کرنے سے منع فرمایا ہے، جن کے بارے میں سوال کرنے سے ان کو کوئی فائدہ نہیں بلکہ ایسی چیزوں کے بارے میں سوال کرنے کو سختی سے منع کیا ہے اس لئے کہ اگر وہ باتیں ان پر ظاہر کر دی جائیں تو بہت ممکن ہے کہ اس سے ان کو تکلیف پہنچے اور اس کا سننا ان کو ناگوار اور باعث مشقت ہو۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک دن ایسی غیر معمولی تقریر فرمائی کہ اس جیسی تقریر ہم نے کبھی نہیں سنی تھی۔ اس تقریر میں آپ نے فرمایا:

''اگر تم کو وہ معلوم ہو جائے جو مجھے معلوم ہے تو بلا شبہ ہنسو کم اور روؤ زیادہ''۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اس تقریر کا صحابۂ کرامؓ پر ایسا اثر ہوا کہ اپنے چہروں کو کپڑوں سے ڈھک لیا اور سسک سسک رونے لگے۔ ایک شخص کے سوال کے نتیجہ میں یہ بات پیش آئی کہ ایک شخص نے یہ بے تکا سوال کیا کہ میرا باپ کون ہے؟ اس پر آیت بالا نازل ہوئی، یہ حدیث تربیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہے۔ آپ ﷺ کچھ دیر توقف فرماتے ہیں جیسا کہ ایک مربی، ڈرانے اور خوشخبری سنانے والا، رہنمائی اور ہوشیار کرنے والا مقرر کرتا ہے اور فرماتے ہیں ''اگر تم وہ جان لو جو میں جانتا ہوں تو یقیناً ہنسو کم اور روؤ زیادہ'' جس کا اثر یہ ہوا کہ تمام صحابۂ کرام پر ان جذبات کو ابھار دینے والے انداز کلام نے گریہ کی کیفیت طاری کر دی اور ان کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور دل تاثر میں ڈوب گئے، صورت حال اس بات کی متقاضی ہوئی کہ خطبۂ مذکور کے وسیع مفہوم کے اعتبار سے دوسرے سوالات سامنے آ جائیں۔ ایک شخص یہ بے تکا سوال کر بیٹھتا ہے کہ میرا باپ کون ہے؟ اس طرح کے سوالات برابر پیش آتے رہتے تھے اس لئے کہ امت ابھی تربیت کے مراحل سے گزر رہی تھی اور اس میں ابھی جاہلیت کی عادات اور دیہاتی پن کے بہت سے اثرات باقی تھے، جیسا کہ آنے والی روایتوں سے ان باتوں کا اندازہ ہوگا۔

صحیحین میں مروی ہے کہ حضرت انسؓ حضرت قتادہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ: لوگوں نے حضور ﷺ سے سوال کیا اور بار بار سوال کو دہرایا جس پر حضور ﷺ کو غصہ آ گیا حتیٰ کہ آپ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا: آج تم مجھ سے جو سوال بھی کرو گے اس کی حقیقت کو بیان کر دوں گا۔ اس پر ایک شخص نے سوال کیا: جب کوئی شخص نامعلوم نسب کا ہوتا ہے تو اپنے باپ کے علاوہ سے منسوب کیا جاتا ہے چنانچہ اس نے سوال کیا اے اللہ کے رسول میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارا باپ حذافہ ہے۔

ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں آیت ذیل کے تحت اس حدیث کی تشریح کی ہے ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْاَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ'' حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے: آپ ﷺ غصے کی حالت میں تشریف لائے غصے سے چہرۂ انور سرخ تھا۔ منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور پوچھ بیٹھا میں کہاں ہوں؟ آپ نے فرمایا آگ میں، دوسرا شخص کھڑا ہوا اس نے سوال کیا میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: تمھارا باپ حذافہ ہے،

صورت حال کا جائزہ لے کر حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور فرمایا: ہم نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مانا اور اسلام کو دین تسلیم کیا اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت پر یقین کیا اور قرآن کریم کو اپنا امام و پیشوا مانا، اللہ کے رسول ہم لوگ ابھی ابھی جاہلیت و شرک سے نکل کر اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے باپ دادا کو خوب جانتا ہے، راوی فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی اس درخواست و گزارش سے آپ ﷺ کا غصہ تھما اور اس کے بعد یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔ ''یَا أَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ أَشْیَآءَ إِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ. (المائدہ:۱۰۱)

اس قسم کے واقعات وقتاً فوقتاً پیش آتے رہتے تھے، اس انداز کی بہت سی روایتیں ہیں، جو اس طرح کے واقعات کو پیش کرتی ہیں۔ حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ حضور ﷺ سورج ڈھلے تشریف لائے اور نماز ظہر ادا فرمائی، سلام پھیرنے کے بعد آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور قیامت کا بیان و ذکر فرمایا۔ اور اس دن جو نا قابل قیاس چیزیں پیش آئیں گی ان کا ذکر فرمایا، اس کے بعد آپ نے فرمایا: جو شخص کچھ پوچھنا چاہے پوچھے، جس چیز کے بارے میں بھی پوچھو گے جب تک منبر پر ہوں اس کا جواب دوں گا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ لوگ بے تحاشہ رونے لگے۔ اور آپ بار بار اپنا قول دہراتے رہے پوچھو۔ پوچھو: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آپ کے سامنے کھڑا ہوا، اور پوچھا: اللہ کے رسول ﷺ میرا ٹھکانا کہاں ہے؟ آپ نے جواب دیا جہنم۔ اتنے میں عبداللہ بن حذافہ اٹھے اور سوال کیا کہ یا اللہ کے رسول میرا باپ کون ہے؟ آپ نے جواب دیا تمھارا باپ حذافہ ہے، راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ برابر اپنا سوال سلونی سلونی دہراتے رہے۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت عمرؓ مودب ہو کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور فرمایا ہم اللہ تعالیٰ کو اپنا رب ماننے پر راضی ہیں۔ اسلام کو اپنا دین مان لیا۔ حضرت محمد ﷺ کو خدا کا نبی اور رسول مان لیا۔ راوی کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ نے یہ فرمایا تو حضور خاموش ہوئے، پھر آپؐ نے فرمایا: خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ مجھے نماز پڑھنے کی حالت میں ابھی ابھی اس دیوار پر جنت و جہنم دونوں دکھائے گئے۔ آج جیسی اچھائی (نعمتیں) اور برائی (عذاب) ہم نے نہیں دیکھی۔ حدیث بالا سنجیدگی و وقار کے ساتھ تربیتی پہلوؤں پر غور کرنے کی دعوت دیتی ہے، حدیث پاک مسجد نبوی کے اندر تعلیم و تربیت اور مختلف النوع کاموں کی تصویر پیش کرتی ہے اور ساتھ ہی ایک قائد و رہنما کی ذمہ داریوں کو

اجاگر کرتی ہے۔ آپ ﷺ کس طرح منبر پر کھڑے ہوکر لوگوں کی اصلاح اور انجام بد سے ڈرانے کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ روایت نہایت نازک صورت حال کو سامنے لاتی ہے۔ آپ نے قیامت کا ذکر فرمایا اور بیان فرمایا کہ قیامت کے وقت ایسے ہیبت ناک حالات پیش آئیں گے پھر اخیر میں قسم کھا کر فرمایا کہ ابھی ابھی میرے سامنے جنت وجہنم دونوں پیش کئے گیے۔ آج سے بڑھ کر نہ نعمتیں اور اچھائیاں دیکھیں نہ عذاب اور برائیاں۔ یہ تمام تفصیلات دل کو ہلا کر رکھ دیتی ہیں۔ چنانچہ لوگوں پر غیر معمولی اثر پڑا۔ اور ندامت میں ڈوب گئے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ لوگ بلک بلک کر رونے لگے، کیوں نہ ہو اس طرح کی صورت حال تو ندامت اور رونے ہی کی کیفیت پیدا کرتی ہے اور ہر بات کو سنجیدگی ومتانت سے سوچنے اور مناسب انداز بیان کے ذریعہ دلوں کو خوش کرنے کا سبق پڑھاتی ہے۔ حضرت عمرؓ جلد اس صورت حال کو بھانپ گئے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر نہایت ادب ومحبت کے ساتھ عرض کیا۔ ہم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے اور اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہیں، حضرت عمرؓ کے یہ عرض کرنے پر آپ ﷺ خاموش ہو گئے پھر اس کے بعد عمرؓ نہایت ادب کے ساتھ محبت بھرے الفاظ میں اللہ کے رسول کا دل خوش کرنے والی باتیں کرنے لگے درمیان درمیان میں معذرت کے الفاظ بھی فرماتے جاتے: ''ہم لوگ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے ہیں''۔ پھر ملامت کرتے ہوئے فرماتے ''اے اللہ کے رسول ﷺ ہم ابھی ابھی جاہلیت سے نکل کر اسلام لائے ہیں۔ آپ ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو معاف فرمادیجیے اور اس طرح کے سوالات کہ میرا داخلہ کہاں ہوگا؟ میرا باپ کون ہے؟ اللہ کے رسول میری اونٹنی کہاں ہے؟ درگزر فرمایئے''۔ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نا مناسب سوالات تربیت وتزکیہ کے ابتدائی زمانہ میں پیش آئے تھے، اس لیے کہ حضرت عمرؓ کے قول کہ: ''ہم لوگ ابھی ابھی نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں'' سے یہی معلوم ہوتا ہے، اسی وجہ سے حضور ﷺ اس تربیتی منزل کے شروع زمانہ میں جلد بازی اور اصرار کرنے سے ڈرایا اور سوال کا طریقہ اور اس کے آداب بتائے، حضرت عامر بن سعد بن ابی وقاص اپنے والد کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کسی ایسی چیز کے حرام وحلال ہونے کے بارے میں سوال کیا جو حرام نہیں کی گئی تھی اور اس کے سوال کی وجہ سے حرام کر دی گئی۔ آپ ﷺ بلا وجہ کی باتوں قیل وقال اور بہت زیادہ

سوال کرنے اور مال کو بلا وجہ ضائع کرنے سے منع فرماتے تھے، آپ نے صحابۂ کرامؓ کو نصاریٰ کی طرح سوال کرنے سے منع فرمایا کہ ان لوگوں نے اپنے نبی (عیسیٰ علیہ السلام) سے آسمان سے دسترخوان یعنی کھانے کی چیزوں کے اترنے کا مطالبہ کیا کہ ایسا ہو جائے تو ہم کو یقین آئے اور ہم ایمان لائیں اور جب آسمان سے دسترخوان اترا تو ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ اس واقعہ کو قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا ہے:

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يَا عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. (المائدۃ:۱۱۲)

(وہ قصہ بھی یاد کرو) جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ بن مریم کیا تمھارا پروردگار ایسا کر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے (طعام کا) خوان نازل کرے؟ انھوں نے کہا کہ اگر ایمان رکھتے ہو تو خدا سے ڈرو!

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ''لا تسالوا عن أشیاء،'' سے بحیرہ، وصیلہ، سائبہ اور حام ہے۔ اور حضرت عکرمہؓ سے مروی ہے کہ سوال سے روکنے کا مطلب اللہ تعالیٰ کی آیات کے بارے میں سوال کرنا ہے کہ کوئی معجزہ و نشانی لائیے تو ایمان لائیں، مثلاً قریش کا سوال کہ آپ ﷺ پانی کی نہر جاری کر دیں اور صفا پہاڑی کو سونے کی کر دیں۔ یعنی پوری پہاڑی سونا بن جائے۔ آپ ﷺ آیت کریمہ ''لا تسألوا عن أشياء ان تبد لكم تسؤكم'' کی حکمت و مصلحت کو سمجھنے کی طرف برابر متوجہ کرتے رہے، اس بارے میں بزار نے حضرت ابوالدرداء کی حدیث مرفوعاً نقل کی اور فرمایا کہ حدیث کی سند صحیح ہے حاکم نے بھی حضرت ابوالدرداء کی حدیث کو صحیح کہا ہے، حدیث یہ ہے:

'' ما أحل الله فهو فی كتابه فهو حلال وما حرم فهو حرام و ما سكت عنه فهو عفو فاقبلوا من الله عافيته فان الله لم يكن ينسى شيئاً. ثم تلا هٰذه الآية (وما كان ربك نسيا).

''اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو چیز حلال فرمائی ہے وہ حلال ہے اور جس چیز کو حرام

کیا ہے وہ حرام ہے اور جس چیز سے سکوت فرمایا ہے وہ جائز ہے (معاف ہے) اللہ تعالیٰ کی معاف اور اختیار دی ہوئی باتوں کو قبول کرلو! اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ کسی چیز کو بھول جائے پھر یہ آیت ذکر کی ہے۔ ''وما کان ربک نسیاً''۔

دار قطنی نے ابوثعلبہ کی حدیث ذکر کی ہے:

''ان اللّٰہ فرض فرائض فلا تضیعوھا وحدّ حدوداً فلا تعتدوھا وسکت عن أشیاء رحمۃ لکم غیر نسیان فلا تبحثوا عنھا''. (فتح الباری ج ۱۳ص ۳۶۶)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزیں فرض فرمائی ہیں ان کو ضائع نہ کرو (یعنی ان پر عمل کرو) اور کچھ حدود مقرر فرمائی ہیں ان سے آگے نہ بڑھو اور کچھ چیزوں کے بارے میں تم پر اپنے لطف و کرم کی بنا پر نہ کہ بھول کر سکوت فرمایا ہے، ان چیزوں کی تحقیق میں نہ پڑو۔

سوال کرنے میں صحابہ کرامؓ کا ادب

پھر وقت آیا کہ حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی تربیت پختہ فرمادی اور صحابہ کرام میں جن کو آپ سے قریب رہنے اور برابر ملنے جلنے کا شرف حاصل تھا اور وہ منتخب چیدہ اصحاب میں سے تھے، انھوں نے سوال کے سلسلے میں ایک خاص انداز اپنایا۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا ''ہمیں رسول اللہ ﷺ سے سوال کرنے سے منع کردیا گیا تھا۔ لہٰذا اس انتظار میں ہوتے کہ کوئی سادہ لوح اور بھولا بھالا آدمی آئے آپؐ سے سوال کرے ہم جواب سن کر استفادہ کریں۔'' احمدؒ نے ابوامامہ سے تخریج کی ہے کہ جب آیت (یا ایھا الذین اٰمنوا لا تسئلوا عن اشیاء) نازل ہوئی تو ہم لوگ حضور ﷺ سے سوال کرنے میں احتیاط کرنے لگے، ہم کسی دیہاتی (اعرابی) کے پاس آتے اور اس سے کہتے کہ حضور ﷺ سے سوال کرو۔ کچھ پوچھو ((فتح الباری ج ۱۳ص ۳۶۶)) یہ ادب رسول اور اسوۂ نبوت کے اپنانے اور اطاعت حکم کا نیا اور مبارک انداز تھا۔ ایک اور مثال منقول ہے جو اس ادب ولحاظ کو اور نمایاں کردیتی ہے۔ (فتح الباری ج ۱۳ص ۳۶۶)

حضرت مسلم نواس بن سمعان سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے بیان کیا کہ میں

نے ایک سال تک حضور ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ میں قیام کیا، سوال کے علاوہ کوئی بات مجھے ہجرت سے نہیں روکتی تھی۔ ہم میں سے جب کوئی ہجرت کرتا تھا تو حضور ﷺ سے پوچھتا نہیں تھا، آپ کا مطلب یہ تھا کہ ہجرت کے ارادے سے نہیں بلکہ ملنے کی غرض سے آئے تھے۔ اس طرح سال بھر ٹھہرے رہے کہ مسائل معلوم کریں، لیکن ہجرت کی نیت نہیں کی کہ وفد کی صورت باقی نہ رہے اور عرصے تک قیام کرنے کی وجہ سے مہاجر بن جائیں اور سوال کرنا ممنوع ہو جائے۔ اس واقعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سوال کرنے کی ممانعت دیہاتیوں کے لیے نہیں تھی، چاہے وفد کی صورت میں آئے ہوں یا مقیم ہوں۔

یہ معلوم ہے کہ نواس بن سمعان شام کے رہنے والے تھے اور فیضان نبوی سے فیض حاصل کرنے اور نبوت کے چشمہ صافی سے براہ راست سیراب ہونے کی غرض سے مسافرانہ حاضر ہوئے تھے، مستقل قیام کی نیت نہیں تھی کہ مہاجرین میں شمار ہونے لگیں اور ان پر سوال کرنے کی ممانعت کے شرائط جاری ہو جائیں۔ یہ واقعہ ادب کا اعلیٰ ترین نمونہ اور حصول علم کے شوق وحرص کی زندہ جاوید مثال ہے جو علم کے شائق اور پیاسے طالب علم کے لئے جو علم وعمل کے مختلف میدانوں میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے روشنی کا کام دیتا ہے۔

اس تربیتی مرحلے اور صالح ومثبت ذہن سازی کے بعد جو سوالات کو صحیح رخ دینے کے بعد ظاہر ہوا۔ اب غزوات اور آزمایش کے وقت اس نئے اسلامی معاشرے میں جو سوالات ہوئے وہ علمی اور دعوتی سوالات تھے، مثلاً یتیموں کے بارے میں سوال کرنا جو دور جاہلیت میں ظلم کا شکار ہوتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتَامىٰ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ. (البقرہ:۲۲۰)

اور تم سے یتیموں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہ کہہ دو ان کی (حالت کی) اصلاح بہت اچھا کام ہے۔

ایسے ہی حلال وحرام کا سوال "يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ (المائدہ:۴)
تم سے پوچھتے ہیں کہ کون سی چیزیں ان کے لئے حلال ہیں۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ. (البقرۃ:۱۸۹)

(اے پیغمبر) لوگ تم سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں۔

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَھِلَّۃِ قُلْ ھِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ. (البقرہ:۱۸۹)

(اے محمد) لوگ تم سے نئے چاند کے بارے میں دریافت کرتے ہیں (کہ گھٹتا بڑھتا کیوں ہے) کہہ دو کہ وہ لوگوں کے (کاموں کی میعادیں) اور حج کے وقت معلوم ہونے کا ذریعہ ہے۔

انفاق کے سلسلے میں بہت سی آیات نازل ہوئیں، اسلئے کہ لوگ پرانے رسم اور رواج کے مطابق انفاق کے عادی تھے، لیکن اب انفاق اسی تیزی سے بدلتے ہوئے اسلامی معاشرے کے لیے جس کا اسے سامنا کرنا پڑ رہا تھا ایک اہم ضرورت بن گیا جو ایک دوسرے کی کفالت وتعاون کا متقاضی تھا۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ آیت کریمہ ''یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ.'' (بقرہ۔۲۱۹) اور یہ بھی تم سے پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کون سا مال خرچ کریں۔ عمرو بن جموح انصاری کے بارے میں نازل ہوئی جو بہت عمر دراز اور مالدار تھے، انھوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا اللہ کے رسول! کتنا خرچ کریں اور کن لوگوں پر خرچ کریں؟ اس طرح کے مختلف نوع کے نئے نئے سوالات برابر پیش آنے لگے جو اس دین متین کی ہمہ گیری اور وضاحت، اور نئی اسلامی اقدار سے متعلق ہوتے تھے، یہ اس بڑھتے ہوئے نئے معاشرے میں ہر وقت پیش آتے تھے اور مسلمان ان کے بارے میں اپنے نبیؐ سے اسلام کے مختلف معاملات کے بارے میں پوچھا کرتے تھے، یہ وہ معاملات ہوتے تھے جو ان کی جاہلیت کے بعد والی نئی اسلامی زندگی میں پیش آیا کرتے تھے، مثلاً ''یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ قُلْ ھُوَ اَذیً'' (بقرہ،۲۲۲) اور تم سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، کہہ دو وہ نجاست ہے۔

یہ نئے نئے سوالات اس ترقی پذیر معاشرے کے نقوش اور معاشرتی واجتماعی تعلقات کی دلیل تھے کہ مسلمانوں کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ اپنے تصور اور عقیدے کے مطابق صاف صاف واضح احکام معلوم کریں۔

اکثر صحابہ کرام اور تابعین مسائل پیش آنے سے پہلے ان کے بارے میں سوال کرنے کو ناپسند کرتے تھے اور ایسے سوالات کا جواب نہیں دیتے تھے۔

ایک دن حضرت عمرؓ لوگوں کے پاس آئے اور فرمایا! ہم تمہارے لئے یہ مناسب نہیں سمجھتے کہ جو بات پیش نہیں آئی ہے اس کے بارے میں مجھ سے سوال کرو کہ جو باتیں معلوم ہو چکی ہیں ہم اسی پر عمل کرنے میں مشغول ہیں (مزید کیا بوجھ اٹھائیں) ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو چیز پیش نہیں آئی اس کے بارے میں سوال نہ کرو، ہم نے حضرت عمرؓ کو ایسے شخص پر لعنت کرتے سنا ہے جو ایسی چیز کے بارے میں سوال کرے جو ابھی پیش نہیں آئی ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ سے جب کسی چیز کے بارے میں سوال کیا جاتا تو پوچھتے کیا یہ بات پیش آئی ہے؟ جب جواب ملتا کہ نہیں، پیش تو نہیں آئی ہے تو فرماتے کہ پھر چھوڑو جب پیش آئے تو سوال کرنا۔ حضرت صلت راشد سے مروی ہے فرمایا، ہم نے حضرت طاؤس سے ایک چیز کے بارے میں پوچھا تو جھڑک دیا اور پوچھا کیا ایسا پیش آیا ہے؟ ہم نے عرض کیا ہاں، تو فرمایا کیا سچ کہتے ہو؟ میں نے عرض کیا ہاں بالکل اسی کے قریب قریب مبہم بات پیش آئی ہے۔ صنابحیؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کے حوالہ سے بیان کیا کہ انھوں نے کہا حضور ﷺ نے مبہم باتوں کے سلسلہ میں سوال کرنے سے منع فرمایا ہے، اسی کی تخریج امام احمدؒ نے کی ہے۔ اس کی وضاحت امام اوزاعیؒ نے اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ مشکل مسائل ہیں۔

حضرت ثوبانؓ کی ایک حدیث آپ ﷺ سے بیان کی جاتی ہے، ''سیکون قوم من امتی یغلطون فقهاء هم بعضل المسائل اولئک شرار امتی۔''

ہماری اُمت میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو مفتیوں اور فقہاء کے سامنے مسائل مبہم اور غیر واضح کر کے پیش کریں گے، یہ لوگ ہماری امت کے بدترین لوگ ہوں گے۔ امام اوزاعیؒ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو علم کی برکت سے محروم کرنا چاہتا ہے تو اس کی زبان سے مہمل ولغو سوالات کرواتا ہے۔ ہم نے اس قسم کے لوگوں کو سب سے کم علم پایا، یہ بھی فرمایا، ہم نے امام مالکؒ کو فرماتے سنا ہے کہ بہت زیادہ باتیں کرنے اور فتویٰ لینے کو عیب کی بات فرماتے تھے۔

شرف وبلندی اور علم کی قدر وعزت کے بارے میں اسلاف کے یہ چند نمونے ہیں، موجودہ دور میں ہمیں ان آداب واخلاق کو اپنانے کی کتنی شدید ضرورت ہے، اس لئے کہ اس

طرح کے لغو و مبہم سوالات حصول علم اور عمل کا جذبہ پیدا کرنے کے سلسلہ میں رکاوٹ بنتے ہیں، بلکہ مصیبت و دشواری میں ڈالتے ہیں۔ جہاں تک طلبہ کا تعلق ہے ان میں سے اکثر اس بارے میں سوء ادب کا شکار ہو جاتے ہیں، بحث چھیڑنے اور ریا کاری کے طور پر سوال کرتے ہیں۔ حضرت وہب کا قول ہے کہ ہم نے امام مالکؒ کو فرماتے سنا ہے کہ علم کے بارے میں ریا کاری دل کو سخت بنا دیتی ہے اور کینہ کا سبب بن جاتی ہے۔ (جامع العلوم والحکم ص ۱۰۸-۱۱۷)

ان علمی نزاکتوں کے سبب امام نووی اس حدیث کو اسلام کے اہم اصولوں اور جوامع الکلم (یعنی کم الفاظ کا بہت سے معنی ادا کرنا) میں شمار کیا ہے جو آپ ﷺ کو عطا کیا گیا تھا۔ اس کے اندر بے شمار احکام آ جاتے ہیں۔ مثلاً نماز کی تمام شکلیں کہ اگر بعض ارکان کو یا شرائط کو نہ ادا کر سکتا ہو تو جتنا کر سکتا ہو اتنا کرے۔ (شرح مسلم نووی، ج ۹، ص ۱۰۰)

حدیث کا فقہی پہلو

حدیث پاک کا یہ حکم کہ جب میں تم کو کسی بات کا حکم دوں تو اس کو اپنی استطاعت بھر جتنا کر سکتے ہو کرو یہ حکم استحبابی ہے۔ امام نوویؒ نے فرمایا، آپ کے الفاظ جوامع الکلم اور اسلام کی ان اصولی باتوں سے ہیں جن سے جزئیات کا استنباط کیا جاتا ہے اور اس میں بہت سے احکام داخل ہو جاتے ہیں، مثلاً اس شخص کی نماز جو نماز کے بعض ارکان کو ادا کرنے پر قادر نہیں۔ مثلاً آنکھوں میں تکلیف کے سبب سجدہ نہیں کر سکتا، پاؤں میں کمزوری کے سبب قیام نہیں کر سکتا۔ یا اسی طرح بعض شرائط پوری کرنے پر قادر نہیں، ایسی صورت میں وہ جتنا کرنے پر قادر ہو اتنا کرے، اسی طرح وضو ہے۔ ستر عورت ہے (یعنی جسم کے جتنے حصہ ڈھکنا ضروری ہے) حتی الامکان سورہ فاتحہ کا یاد کرنا اور حتی المقدور صدقہ ادا کرنا۔ رمضان المبارک میں کسی عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے اور دن کے کسی حصہ میں اس کی معذوری ختم ہو جائے تو اسے چاہئے کہ روزہ داروں کی طرح کھانے پینے سے گریز کرے۔ گو اس کا روزہ نہ ہوگا لیکن احترام کا ثواب ملے گا۔ اسی طرح کے اور مسائل۔ (فتح الباری)

اسی طرح پاکی و طہارت کا مسئلہ ہے تو جتنے پر قادر ہو اتنی طہارت حاصل کرے اور جتنے پر قادر نہیں اس کی تکمیل تیمم سے کرے، خواہ وہ پانی نہ ہونے کے سبب سے ہو۔ یا بعض اعضاء

مرض کے سبب نہ دھوئے جا سکتے ہوں، اس صورت میں جتنا کرنے پر قادر ہے اتنا کرے، اس حکم میں غسل وضو دونوں ہی شامل ہیں۔ ایسے ہی نماز کے جن ارکان وشرائط کے ادا کرنے پر قادر ہو کرے نماز نہ چھوڑے، علماء کا مشہور قول یہی ہے۔

بخاری شریف میں عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: تم نماز کھڑے ہو کر پڑھو، اگر کھڑے نہ ہو سکو تو بیٹھ کر پڑھو، اگر بیٹھنے پر بھی قدرت نہ ہو لیٹ کر پڑھو۔ ان سب باتوں سے معذور ہو تو نماز کی نیت کر کے آنکھ کے اشارے سے نماز پڑھو۔ (فتح الباری، ج ۱۳) آپ کے الفاظ کہ ''جتنا کہہ کر تم کو چھوڑوں (خاموش ہو جاؤں) اتنے پر مجھے چھوڑ دو۔'' اس بات کی دلیل ہے کہ اصل عدم وجوب ہے، جب تک صراحۃً کوئی شرعی حکم نہ آ جائے علم الاصول کے ماہرین کے نزدیک یہی درست ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، ''وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا.'' (بنی اسرائیل) (شرح صحیح مسلم (نووی) ج ۹، ۱۰۲)

اور میں تم کو کسی چیز سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو، یہ حکم بھی مطلق ہے کوئی عذر پایا جائے گا تو وہ ممنوع چیز حدود کے اندر جائز ومباح ہو جائے گی مثلاً بھوک کی حالت میں جب حلال ملنا ممکن نہ ہو اور جان جانے کا خطرہ ہو تو جان بچانے کے لئے بقدر ضرورت مردار کو کھا سکتا ہے۔ یا ایسے ہی شراب پلائی جائے تو شراب پی سکتا ہے۔ دشمنوں کے قبضہ میں بے بسی کے عالم میں کلمہ کفر کہلایا جائے تو زبان سے الفاظ ادا کر سکتا ہے تا کہ جان بچ جائے، اس طرح کی اور بھی مجبوری کی باتیں ہیں یہ سب ممنوع ہونے میں شامل نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

(شرح صحیح مسلم نووی ج ۹، ۱۰۲)

''جب میں تم کو کسی بات سے منع کروں تو اس سے پرہیز کرو، منع کرنے کا یہ حکم ان تمام چیزوں کے لئے عام ہے جن سے روکا گیا ہے۔ ان باتوں پر اگر زبردستی عمل کرایا جائے تو اس حکم سے مستثنیٰ سمجھا جائے گا، جمہور علماء کی یہی رائے ہے۔

یہ حدیث ترقی پذیر شہری ماحول کے پروان چڑھنے کا ایک خوبصورت نمونہ ہے۔ اس حدیث سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ علمی اور دعوتی سوالات کیسے ڈھالے جاتے تھے اور کس طرح ابتدائی دور میں معمولی اور بے مقصد سوالات کئے جاتے حتیٰ کہ نبوی تربیت کے نتیجہ میں بامقصد اور تعمیری سوالات کئے جانے لگے۔